© rasailojaraid.com

اسلامی ہیئتِ حاکمہ

(مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مغفور کی تحقیق کے مطابق)

جناب نعیم صدیقی صاحب

اسلامی تحریکات کے لئے ابتدائی جنگ و دو اور طرح کی مشکلات رکھتی ہے۔ لیکن ان کا انقلابی عمل جب تکمیل کو پہنچتا ہے تو بالکل دوسری طرح کا ایک چیلنج سامنے آتا ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی اسلامی تحریک مزاحمتوں سے ٹکراتی ہوئی کامیابی تک جا پہنچتی ہے۔ یا وہ سیاسی اثر اندازی کے لئے کافی قوت پا لیتی ہے۔ تو یکایک اس کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوتا ہے کہ اب زندگی کے نظام اور اس کے شعبوں اور اداروں کی تشکیل نو ہونی چاہیئے۔ یہ سوال جب سامنے آجاتا ہے تو پھر اس کا جواب دینے کے لئے تاریخ زیادہ لمبی مہلت نہیں دیتی۔ وقت پر اگر جواب نہ دیا جائے اور تسکین بخش جواب نہ دیا جائے تو بنا ہوا کھیل بگڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ جہاں جہاں اسلامی تحریکات چل رہی ہوں۔ ان کے ذہین عناصر زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق نئے نقشے پہلے سے مرتب کریں اور اس کام میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ یہ کام اسلامی اصول و مقاصد کے فریم میں اس دور کے حالات و تجربات کو سامنے رکھ کر اجتہادی نقطۂ نظر سے قابلِ عمل صورتوں کو تجویز کرنے کا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور نے زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اتنی رہنمائی بہم پہنچا دی ہے کہ کوئی بھی اسلامی قوت کسی بھی ملک میں اسلامی حکومت کے جملہ اداروں کو نئی شکل میں قائم کر کے چلا سکتی ہے۔

غالباً سب سے پہلا اور بڑا مسئلہ ہیئتِ حاکمہ کا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر سید مودودی مغفور کے مربوط نظامِ فکر کے اہم اجزاء کو یہاں پیش کر دوں۔

سب سے پہلے کسی بھی ہیئتِ حاکمہ کی اساس بننے والا نظریۂ سیاسی قابلِ توجہ ہوتا ہے۔ مولینا مودودی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نظریۂ سیاسی کو سمجھنے کے لئے ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:

" دنیا میں فتنہ کی اصل جڑ اور فساد کا اصلی سرچشمہ انسان پر انسان کی خدائی ہے۔ خواہ وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔ اسی سے خرابی کی ابتدا ہوئی۔ اور اسی سے آج بھی بس کے زہریلے چشمے پھوٹ رہے ہیں .... انسان کسی نہ کسی کو اللہ اور رب مانے بغیر رہ ہی نہیں سکتا .... اگر اللہ کو نہ مانے گا تب بھی اسے اللہ اور رب سے چھٹکارا نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں بہت سے آلہ اور ارباب اس کی گردن پر مسلط ہو جائیں گے۔ آج بھی آپ جدھر نگاہ ڈالیں یہی نظر آئے گا کہ کہیں ایک قوم دوسری قوم کی الٰہ ہے۔ کہیں ایک طبقہ دوسرے طبقوں کا الٰہ ہے۔ کہیں ایک پارٹی نے الہیت و ربوبیت کے مقام پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کہیں قومی ریاست خدائی کے مقام پر براجمان ہے اور کہیں کوئی ڈکٹیٹر مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰـهٍ غَيْرِي (میں نہیں جانتا کہ سوائے میرے کوئی اور تمہارا اللہ ہے) کی منادی کر رہا ہے انسان کسی ایک جگہ بھی اللہ کے بغیر نہ رہا۔" [1]

آگے مولینا بتاتے ہیں کہ انسان کو انسانی خدائی یا الہیت سے نجات دلانے ہی کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے۔ ملاحظہ ہو:

"یہی وہ بنیادی اصلاح تھی جو انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی میں کی۔ وہ دراصل انسان پر انسان کی خدائی تھی جس کو مٹانے کے لئے یہ حضرات آئے .... ان کا مقصد یہ تھا کہ جو انسان انسانیت کی حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ انہیں دھکیل کر پھر اس حد میں واپس پہنچا دیں، جو اس حد سے نیچے گرا دیئے گئے ہیں انہیں ابھار کر اس حد تک اٹھا لائیں اور سب کو ایک ایسے عادلانہ نظامِ زندگی کا پابند بنا دیں جس میں کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا عبد ہو نہ معبود۔ بلکہ سب ایک اللہ کے بندے بن جائیں۔" [2]

یہ ہے اسلامی نظریۂ سیاسی کی اصل و اساس۔ اور اس اساسی تصور کو ایک سیاسی اصول کی حیثیت

---

[1] مضمون: "اسلام کا سیاسی نظریہ" مشمولہ اسلامی ریاست۔ ص۔ ۱۳ (اشاعت اوّل)

[2] مضمون: "اسلام کا نظریہ سیاسی" مشمولہ اسلامی ریاست۔ ص ۳۲۔ (اشاعت اوّل)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یوں پیش فرمایا ہے۔

"اس نظم کے مطابق حاکمیت Soveriegnty صرف خدا کی ہے۔ قانون ساز LAW GIVER صرف خدا ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ بذاتِ خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ کے حکم ہی کا پیرو ہے۔" لہ

متذکرہ اساسی کلیے سے تین اصول اخذ ہوتے ہیں۔ جو مولینا کے الفاظ میں یہ ہیں۔

۱۔ کوئی شخص خاندان، طبقہ یا گروہ بلکہ اسٹیٹ کی ساری آبادی مل کر بھی حاکمیت کی مالک نہیں ہے۔ حاکم اصلی صرف خدا ہے۔ اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ قانون سازی کے اختیارات بھی خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ سارے مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لئے کوئی قانون بنا سکتے ہیں۔ اور نہ خدا کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم کرسکتے ہیں

۳۔ اسلامی اسٹیٹ بہر حال اس قانون پر قائم ہوگا جو خدا کی طرف سے اس کے نبی نے دیا ہے اور اس اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہو گی کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔" سه

ان اصولوں کو چلانے والی اسلامی ریاست کی اصطلاحًا آخر نوعیت کیا ہو گی۔ مروجہ ریاستی نظریات کے بالمقابل مولینا نے اسلامی ریاست کی جداگانہ حیثیت کو بہت منقح کر کے پیش کیا ہے۔

"...... یہ مغربی طرز کی لادینی جمہوریت Secular Democracy نہیں ہے ...... اس کے لئے زیادہ صحیح نام الٰہی حکومت ہے۔ جس کو انگریزی میں Theocracy کہتے ہیں۔ مگر یورپ جس تھیاکریسی سے واقف ہے۔ اسلامی تھیاکریسی اس سے بالکل مختلف ہے۔ یورپ اس تھیاکریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ Priest Class خدا کے نام سے خود اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا ہے اور عملًا اپنی خدائی

لہ مضمون: "اسلام کا نظریۂ سیاسی"، مشمولہ اسلامی ریاست۔ ص ۳۵

سه ایضًا۔ ص۔ ۳۶۔ ۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بندوں پر مسلط کرتا ہے۔ ایسی حکومت کو تو الٰہی حکومت کے بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ بخلاف اس کے اسلام جس تھیاکریسی کو پیش کرتا ہے وہ کسی مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔ بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور یہ عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر مجھے ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت دی جائے تو میں اس طرزِ حکومت کو Theo-Deocraycm الٰہی جمہوریت کے نام سے موسوم کرونگا۔ کیونکہ اس میں خدا کے اقتدارِ اعلیٰ Paranountcy کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت Limited Popular Sovereignty عطا کی گئی ہے۔ اس میں عاملہ executive اور مقننہ Legislature مسلمانوں کی رائے سے بنے گی۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے ۔۔۔۔۔ الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا، وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں۔ بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔۔۔۔۔۔ جہاں خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم موجود ہو، وہاں مسلمانوں کے کسی امیر کو، کسی لیجسلیچر کو، کسی مجتہد، اور عالم دین، بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو مل کر بھی اس حکم میں یک سرِ مو ترمیم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔"[1]

اسلامی نظامِ حکومت کے لئے "حدود و اللہ" کی پابندی کی اہمیت کی وضاحت میں چند کلمات :۔

" یہ حدود زندگی کے ہر شعبہ میں چند اصول، چند ضوابط اور چند قطعی احکام پر مشتمل ہیں، جو اس شعبہ کے اعتدال و توازن کو برقرار رکھنے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ ان کا منشا یہ ہے کہ یہ تمہاری آزادی کی آخری حدیں ہیں۔ ان کے اندر رہ کر تم اپنے برتاؤ کے لئے ضمنی اور فروعی ضوابط Regulations. بنا سکتے ہو، مگر ان حدود سے تجاوز کرنے کی تمہیں اجازت نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے ایک ایسا مستقل، ناقابل تغیر و تبدل دستور Constitution بنا کر انسان کو دے دیا ہے۔ جو اس کی روحِ آزادی کو سلب اور اس کی عقل و فکر کو معطل نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ حدیں انسان کے لئے زندگی کے سفر کا صحیح

---

[1] ۔ مضمون "اسلام کا نظریۂ سیاسی" مشمولہ اسلامی ریاست ص۔ ۳۷ - ۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رخ معین کرتی ہیں۔ اور ہر پیچ مقام، ہر موڑ اور ہر دوراہے پر اسے بتاتی ہیں کہ سلامتی کا راستہ اس طرف ہے۔" [1]

اس سلسلہ کلام میں مولینائے مغفور نے جو مزید اہم نکات واضح کئے ہیں۔ وہ یہ ہیں :-

۱۔ اسلامی اسٹیٹ کا مقصد خدا نے یہ متعین کیا ہے۔ کہ اسے چلانے والے سیاسی و دماغی قوت سے کام لے کر کتاب الٰہی کی واضح آیات کے مطابق ٹھیک ٹھیک متوازی Well-Balanced نظام زندگی قائم کریں جو انسانیت کو اجتماعی عدل Social Justice سے بہرہ مند کرے۔

۲۔ اس اسلامی اسٹیٹ کا مقصد محض سلبی Negative نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک ایجابی Positive مقصد اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اس کا کام صرف افراد کو باہمی زیادتیوں سے بچانے اور بیرونی حملوں کی مدافعت کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اسلام کے اجتماعی نظام عدل کو برپا کرنا، بدی کی ان تمام صورتوں کو مٹانا اور نیکی کی ان تمام شکلوں کو رائج کرنا ہے جن کو خدا نے اپنی واضح ہدایات میں بیان کیا ہے۔

۳۔ ظاہر بات ہے کہ متذکرہ بالا ایجابی نوعیت رکھنے والی اسٹیٹ اپنی ساخت میں ہمہ گیر ہوتا ہے ...... یہ تمدن کے ہر شعبہ کو اپنے اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اپنے کسی معاملہ کو پرائیویٹ اور شخصی نہیں کہہ سکتا، ...... مگر ہمہ گیریت کے باوجود اس میں موجودہ زمانے کی کلی Totalitarian اور استبدادی Authoritarian حکومتوں کا سا رنگ نہیں ہے۔ اس میں شخصی آزادی سلب نہیں کی جاتی۔ اور نہ اس میں آمریت Dictatorshio پائی جاتی ہے

۴۔ ایسے اصولی و مقصدی اسٹیٹ کو صرف وہی لوگ چلا سکتے ہیں۔ جو اس کے خدائی دستور پہ ایمان رکھتے ہوں جنہوں نے اس کے مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو ...... جو شخص بھی اسے قبول کرلے، خواہ وہ کسی نسل، کسی ملک، کسی قوم سے تعلق رکھتا

---

[1] مضمون: اسلام کا نظریۂ سیاسی۔ مشمولہ اسلامی ریاست ص۔ ۴۱ ،۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو وہ اس جماعت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس اسٹیٹ کو چلانے کے لئے بنائی گئی ہے اور جو اسے قبول نہ کرے اسے اسٹیٹ کے کام میں دخیل نہیں کیا جا سکتا۔

ان اصولی حقائق کو واضح کرنے کے بعد مولینا مودودی مغفور نے نظریۂ خلافت کو آیت استخلاف (النور ۵۵) سے اخذ کرکے نئے دور کے اندازِ بیان میں پیش کیا ہے۔

"پہلا نکتہ یہ ہے کہ اسلام حاکمیت کے بجائے خلافت Vicegerency کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ چونکہ اس کے نظریہ کے مطابق حاکمیت خدا کی ہے۔ لہذا جو کوئی اسلامی دستور کے تحت زمین پر حکمران ہو اُسے لامحالہ حاکمِ اعلیٰ کا خلیفہ ہونا چاہیئے وہ محض تفویض کردہ اختیارات delegated powers استعمال کرنے کا مجاز ہوگا۔"

"دوسری کانٹے کی بات اس آیت میں یہ ہے کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے . . . سب مومن خلافت کے حامل ہیں۔ خدا کی طرف سے جو خلافت مومنوں کو عطا ہوتی ہے وہ عمومی خلافت Popular Vicegerency ہے . . . . . . ہر مومن اپنی جگہ خدا کا خلیفہ ہے" [1]

یہ دو حقیقتیں بہت ہی بنیادی ہیں اور ان کو تسلیم کرنے سے چند نتائج نکل کر سامنے آتے ہیں۔ ان نتائج کو مولینا مودودی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ ایسی سوسائٹی جس میں ہر شخص خلیفہ اور خلافت میں برابر کا شریک ہو، طبقات کی تقسیم اور پیدائشی اور معاشرتی امتیازات کو اپنے اندر راہ نہیں دے سکتی۔ اس میں تمام افراد مساوی الحیثیت اور مساوی المرتبہ ہوں گے۔

۲۔ ایسی سوسائٹی میں کسی فرد یا گروہِ افراد کے لئے اس کی پیدائش یا اس کے معاشرتی مرتبہ یا اس کے پیشے کے اعتبار سے اس قسم کی رکاوٹیں نہیں ہو سکتیں۔ جو اس کی ذاتی قابلیتوں کے نشو و نما اور اس کی شخصیت کے ارتقاء میں کسی طرح بھی مانع ہوں . . . . اس کے لئے راستہ کھلا ہونا چاہیئے کہ اپنی قوت و استعداد کے لحاظ سے جہاں تک بڑھ سکتا ہے بڑھتا

---

[1] مضمون "اسلام کا نظریۂ سیاسی"، مشمولہ اسلامی ریاست۔ ص ۴۸، ۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلا جائے.....“

۳۔ ایسی سوسائٹی میں
ہر شخص خلیفہ ہے۔ کسی شخص یا گروہ کو حق نہیں ہے کہ عام مسلمانوں سے ان کی خلافت کو سلب کر کے خود حاکمِ مطلق بن جائے۔ یہاں جو شخص حکمران بنایا جاتا ہے اس کی اصلی حقیقت یہ ہے کہ تمام مسلمان یا اصطلاحی الفاظ میں تمام خلفاء اپنی رضامندی سے اپنی خلافت کو انتظامی اغراض کے لئے اس کی ذات میں مرکوز Concentrate کر دیتے ہیں۔ وہ ایک طرف خدا کے سامنے جوابدہ ہے اور دوسری طرف ان عام خلفا کے سامنے جنہوں نے اپنی خلافت اس کو تفویض کی ہے۔ اب اگر وہ غیر ذمہ دار مطاعِ مطلق بنتا ہے تو خلیفہ کے بجائے غاصب کی حیثیت اختیار کرتا ہے“۔ [۱]

۴۔ ایسی سوسائٹی میں ہر عاقل و بالغ مسلمان کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت رائے دہی کا حق حاصل ہونا چاہیئے اس لئے کہ وہ خلافت کا حامل ہے“۔ [۲]

یہاں تک کی گفتگو نے نظریاتی اور فلسفیانہ پہلو سے اسلامی ریاست کی ماہیت کو واضح کر دیا ہے مگر دوسرا سوال یہ سامنے آتا ہے۔ کہ اس کی ہیئت حاکمہ کی عملی تشکیل کیسے ہو؟ اور اس میں اولین مسئلہ سربراہِ ریاست کا ہے۔ کہ اسے کس طرح مقرر کیا جائے۔ اس سلسلے میں مولینا مودودی مغفور نے اصولوں کے ساتھ ساتھ دورِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ کی تاریخ پر بھی نظر ڈالی ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے

”سب سے اہم مسئلہ رئیس مملکت Head of the Stote کے تقرر کا ہے، جس کو اسلام میں امام، امیر اور خلیفہ کی مختلف اصطلاحوں سے یاد کیا جاتا ہے.....

ہمارے موجودہ اسلامی معاشرے کا آغاز مکے میں کفر کے ماحول میں ہوا تھا اور اس ماحول سے لڑ کر اسلامی معاشرے کی ابتدا کرنے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ تھے۔ یہ اسلامی معاشرہ جب اپنے نظم اور سیاسی خود مختاری میں ترقی کر کے ایک اسٹیٹ بننے کی

---

[۱]۔ اسلامی ریاست۔ ص۔ ۴۹ تا ۵۱

[۲]۔ ایضاً۔ ص۔ ۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منزل پہ پہنچا تو اس کے اولین رئیس بھی آنحضورؐ ہی تھے اور آپؐ لوگوں کسی کے منتخب کردہ نہ تھے بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کئے گئے تھے۔" [۱]

یہاں سے بحث کا آغاز کرکے مولینا نے خلفائے راشدین کے تقرر کا جائزہ لینے کے بعد آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ:

"اسلامی مملکت میں صدر کا انتخاب عام لوگوں کی رضامندی پر منحصر ہے، .... رہی یہ بات کہ مسلمانوں کی پسند کیسے معلوم کی جائے تو اس کے لئے اسلام میں کوئی خاص طریق کار مقرر نہیں کر دیا گیا ہے۔ حالات اور ضروریات کے لحاظ سے مختلف طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں۔" [۲]

پھر مولینا مودودی مغفور نے مجلس شوریٰ کے متعلق بحث کا آغاز یوں کیا ہے:

"انتخابِ امیر کے بعد دوسرا اہم مسئلہ اہل الحل والعقد (یعنی مجلس شوریٰ کے ارکان) کا ہے کہ وہ کیسے چنے جائیں گے اور کون ان کو چنے گا۔ سرسری مطالعے کی بنا پر لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ خلافت راشدہ میں چونکہ عام انتخابات General Elections کے ذریعے سے ارکان شوریٰ منتخب نہیں ہوتے تھے اس لئے اسلام میں سرے سے مشورے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات بالکل خلیفہ وقت کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ جس سے چاہے مشورہ لے۔" [۳]

اس غلط فہمی کی تردید کے لئے مولینا مودودی ایک بار پھر قرون اولیٰ کی تاریخ کی اس تعبیر کو سامنے لائے ہیں کہ:۔

"اسلام مکہ معظمہ میں ایک تحریک کی حیثیت سے اٹھا تھا۔ تحریکوں کے مزاج کا یہ خاصا ہوتا ہے کہ جو لوگ سب سے پہلے آگے بڑھ کر ان کو لبیک کہتے ہیں۔ وہی لیڈر کے رفیق،

---

[۱] - اسلامی ریاست - ص - ۲۱۲

[۲] ایضاً - ص - ۲۱۶

[۳] ایضاً - ص - ۲۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وستِ دباز و اور مشیر ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلام میں بھی سابقین اولین تھے۔ وہ بالکل فطری طریقے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اور مشیر قرار پائے......پھر جب اس تحریک میں نئے نئے آدمیوں کا اضافہ ہونے لگا اور مخالف لوگوں سے اس کی کشمکش بڑھتی گئی تو ایسے لوگ خود بخود نمایاں ہوتے چلے گئے۔ جو اپنی خدمات، قربانیوں اور بصیرت و فراست کی بنا پر جماعت میں ممتاز تھے۔ ان کا انتخاب ووٹوں سے نہیں بلکہ تجربات اور آزمائشوں سے ہوا تھا۔ جو الیکشن کی بہ نسبت زیادہ صحیح اور فطری طریق انتخاب ہے۔"[۵۱]

ذرا سی توضیح مزید کے لئے فاضل مؤلف نے ہجرت اور سیاسی، فوجی اور تبلیغی مہمات کی اہمیت بتائی ہے کہ ان مراحل سے گزرنے والے اصحاب جماعت کے نمائندوں اور حضورؐ کے مشیروں کی حیثیت سے معاشرے کی نگاہوں میں آگئے۔ مولینا مودودی مغفور ان اکابر کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"یہی وہ لوگ تھے جن کو اہل الحل و العقد (باندھنے اور کھولنے والے) کہا جاتا تھا اور جن کے مشورے کے بغیر خلفائے راشدین کسی اہم معاملے کا فیصلہ نہ کرتے تھے......لہذا یہ گمان کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ خلیفۂ وقت من مانے طریقے پر جس کو چاہتا تھا مشورے کے لئے بلا لیتا تھا۔ اور کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ مستقل اہلِ شوریٰ یا اہل الحل و العقد کون ہیں جو قوم کے مسائل مہمہ کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں"۔[۵۲]

اس موقع پر حاشیے میں مولینائے مغفور نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ اہلِ شوریٰ مدینے ہی کے لوگ کیوں ہوتے تھے؟ مولینا نے اس کی ایک وجہ یہ بتائی کہ مدینہ کی ریاست ایک قومی ریاست نہ تھی۔ بلکہ ایک عقیدہ و نظریہ کے برپا کردہ انقلاب کے نتیجے میں نمودار ہوئی تھی۔ اور جس مرکزی جماعت نے اس انقلاب کے عمل کو تکمیل تک پہنچایا تھا اس کے مردانِ خاص کو قیادت و نمائندگی کے لئے معاشرے میں اعتماد حاصل ہوا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ اگر اس زمانے میں موجودہ طریقِ انتخاب اور رائے دہی بالغاں اور پولنگ بوتھ اور بیلٹ باکس سسٹم پر کام کیا جاتا تو شمالی افریقہ سے افغانستان تک پھیلی ہوئی ریاست

۵۱۔ اسلامی ریاست۔ ص۔ ۲۱۹

۵۲۔ ایضاً۔ ص۔ ۲۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اس وقت کے ذرائع و وسائل کے تحت انتخاب میں مہینے لگ جاتے۔ اور سارا نظام چوپٹ ہو جاتا۔
میں اس پہ بطور وضاحتِ مزید یہ اضافہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔ کہ مدینہ کی اسلامی ریاست اگرچہ اصولاً یونان کی شہری ریاستوں کی سطح پہ نہ تھی۔ مگر عملاً ابتدائی مرحلے میں شہری ریاست سے ملتا جلتا انداز ہی اختیار کیا گیا۔ کیونکہ ایک بڑے شہر میں مرکزی جماعت جمع تھی اور وہاں مہاجرین و انصار کے مختلف قبائل کے سردار یکجا تھے۔ روایتہً چھوٹی چھوٹی بدوی آبادیاں شہری تمدن و سیاست کے ساتھ ہی چلتی تھیں۔ پھر اس وقت کا نظام قبیلوی نظام تھا۔ ہر قبیلے کے سردار ہی قبیلے کی سربراہی اور نمائندگی کے جملہ حقوق و اختیارات مرتکز ہوتے تھے۔ قبیلے کا کوئی دوسرا فرد اس کے مقابلے میں نہیں آسکتا تھا۔ پس جو قبائل اسلام لاتے یا تو ان کے سابق سردار ان کے نمائندے بنتے یا قبیلوں کے نومسلم گروہوں نے اپنے اندر کسی کو سردار مقرر کر لیا۔ آج قرونِ اولیٰ کے سے سادہ اور آسان طریقِ کار کو اختیار کرنا اس لئے بھی مشکل ہے کہ اس قبیلوی نظام کا موجودہ دور میں احیاء نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ اور بھی بڑے بڑے فروق و اختلافات ہمارے زمانے کو قرونِ اولیٰ سے نہیں جن کی تفصیل ضروری نہیں ان وجوہ کو پیش نظر رکھ کر مولینا مودودی کے اس ارشاد کو سمجھا جا سکتا ہے کہ۔

"خلافت راشدہ کے اس تعامل، بلکہ خود اسوۂ نبویؐ سے جو باقاعدہ کلیہ مستند ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ امیر کو مشورہ ہر کس و ناکس سے یا اپنی مرضی سے چنے ہوئے لوگوں سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے کرنا چاہئے جو عامۂ مسلمین کے معتمد ہوں۔ جن کے اخلاص و خیر خواہی اور اہلیت پہ لوگ مطمئن ہوں۔۔۔۔۔ رہا یہ سوال کہ عوام کے معتمد لوگ کیسے معلوم کئے جائیں تو ظاہر ہے اس چیز کے معلوم کرنے کی جو صورت آغاز اسلام کے مخصوص حالات میں تھی۔ آج وہ صورت نہیں ہے اور اس زمانے کے تمدنی حالات میں جو مواقع موجود تھے وہ بھی آج موجود نہیں ہیں۔ اس لئے ہم آج کے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے وہ تمام ممکن اور مباح طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔ جن سے یہ معلوم کیا جا سکے کہ جمہورِ قوم کا اعتماد کن لوگوں کو حاصل ہے، آج کے انتخابات بھی جائز طریقوں میں سے ایک ہیں۔ بشرطیکہ ان میں وہ ذلیل ہتھکنڈے استعمال نہ ہوں جنہوں نے جمہوریت کو ایک مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔"

متذکرہ اقتباس سے ظاہر ہے کہ مروجہ طریق انتخاب کو بعض اصلاحات کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کیے جا سکتے ہیں تک بات محدود نہیں، کروڑوں افراد کی آبادیوں کی مملکتوں میں، اب انتخابی طریقے کے علاوہ کوئی اور راستہ ہی نہیں ہے۔ پھر تبدیلیٔ احوال کے ساتھ ساتھ ذہنی تبدیلیوں کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ حکومتی نظام کے بے شمار تجربوں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، ایک وسیع حکمت سیاسیات Political Scince تشکیل پا چکی ہے اور کئی انتخابی سسٹم آزمائے جا چکے ہیں۔ موجودہ دور میں انتخابی طریق کو اگر چھوڑ دیا جائے تو آمریت سے ویسے ویسے صرف اعیانی نظام حکومت کا ایک تصور رہ جاتا ہے کہ کچھ اکابر اور دانشور حکومت بنائیں اور چلائیں۔ کسی بھی اجتماعی ہیئت کو جاری کرتے ہوئے، یہ خیال رکھنا اشد ضروری ہوتا ہے کہ اُسے عوام کا اعتماد حاصل ہو۔ وہ اگر بادلِ ناخواستہ یا شکوک و شبہات کے ساتھ کسی ہیئت کو قبول کریں تو سرے سے وہ نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا جو اُوپر کی بحثوں کا منشا ہے۔ مثلاً اعیانی حکومت اس دور میں نہیں چل سکتی، کیونکہ وہ جس ماحول سے متعلق تھی وہ باقی نہیں ہے۔ آج تعلیم اور رسل و رسائل کے فروغ اور ذرائع ابلاغ کی توسیع کا زمانہ ہے۔ اس میں یونان کے ماضی کو زندہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح امریکہ کے صدارتی نظام کو بھی اسلامی اصولوں کے تحت ردّ و بدل کر کے عمل میں لایا جا سکتا ہے، مگر وہ مروجہ پارلیمانی سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل نظام ہے۔ جس کا انحصار توازنات اور مزاحمتوں پر ہے۔ اس موضوع پر پہلے بہت بحثیں ہو چکی ہیں۔ ہاں جبری ذرائع سے اسے جاری کیا جا سکتا ہے، اگر یہ طریقہ مفید نہیں۔ ان اشارات کو مدِنظر رکھ کر، اگر ہر قسم کے خطرات سے احتیاط کرتے ہوئے قوم کے معتمد علیہ حضرات کی کوئی ٹیم کسی بھی ایسے طریق انتخاب کا نقشہ تیار کر دے جو اسلامی نظام سیاست کے فریم میں نصب ہو سکے تو ھو المراد۔

اصل میں کسی بھی طریق انتخاب کے تحت اسلامی نقطۂ نظر سے تعمیری نتائج حاصل کرنے کے لیے چند دوسری اصلاحات کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ رائے دہی بالغان کے حق کو سلب کیے بغیر اس حق کے لیے تھوڑی سی لازمی شرائط رکھ دی جائیں، مثلاً کم سے کم حد تک ایک تعلیمی معیار، صوبوں کی حد تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرائمری پاس یا تعلیم بالغاں کے کورس کے فارغ شدہ افراد کو ووٹر تسلیم کیا جائے اور مرکزی اسمبلی کے ووٹروں کے لیے مڈل یا میٹرک پاس ہونا لازم کر دیا جائے۔ دوسری طرف بعض قانونی جرائم، سماجی مفاسد اور اخلاقی عیوب کے لحاظ سے بھی ووٹر کی جانچ ہونی چاہیے۔ یہ اب بھی ہے، ذرا سا اہتمام زیادہ کیا جا سکتا ہے۔

بعد ازاں امیدواروں کا معاملہ ہے (یہاں مروجہ اصطلاح استعمال کی گئی ہے، حالانکہ اسلام میں امیدواری ممنوع ہے) یہاں پابندیاں نسبتہً زیادہ بڑھا دینی چاہییں۔ اور نااہلیت کے وجوہ بھی پہلے سے مروجہ وجوہ سے زیادہ سخت ہونے چاہییں۔

اس سے اوپر وزرا آتے ہیں۔ وزارت میں لیے جانے والے افراد کے لیے دینی، اخلاقی اور علمی لحاظ سے معیار خاصا اونچا ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ دیکھا جانا چاہیے کہ آیا کسی شخص کی کچھ تبلیغی، تنظیمی، تصنیفی یا سوشل خدمات ہیں یا نہیں۔ ان مناصب پر آنے والوں کو نہ صرف عقائد، عبادات اور اخلاق کے لحاظ سے پوری طرح مسلمان ہونا چاہیے، ان کی زندگیوں کو غیر مسرفانہ ہونا چاہیے اور معاملات و مسائل میں ان کا نقطۂ نظر اسلامی ہونا چاہیے۔

سب سے کڑا معیار صدر اور وزیر اعظم کے لیے ہونا چاہیے۔ ان لوگوں کے افکار اور کردار کو ایک اسلامی ریاست کے اعلیٰ ترین ذمہ داروں کے شایانِ شان ہونا چاہیے۔

اگر یہ معیارات صحیح طور پر متعین ہو جائیں اور سختی سے ان کی پابندی کی جانے لگے تو فی نفسہٖ رائے دہیِ بالغاں سے زیادہ خرابی نہیں آسکتی۔ رائے دہیِ بالغاں میں خرابی جعلی ووٹنگ یا ووٹروں کو دباؤ، فریب اور لالچ سے ضمیر کے خلاف فیصلہ کرنے پر مجبور کرنے سے آتی ہے۔ ان چیزوں کا بڑی حد تک سدباب کیا جا سکتا ہے۔

امید ہے کہ اس گفتگو سے واضح ہو گیا ہوگا کہ مولانا مودودی مغفور نے اسلامی نظریۂ سیاسی کو کس طرح سمجھا۔ اور ہیئت حاکمہ کی تشکیل کے لیے کیا خطوط تجویز کیے۔ اگرچہ اس بحث سے متعلق چند اور نکات بھی ہیں مگر ان کو لیا جائے تو بات پھر بہت پھیل جائے گی۔

© rasailojaraid.com